باب 3
عالمی سیاست میں امریکہ کی بالادستی

5272CH03

11 ستمبر 2001 میں نیویارک کے عالمی تجارتی مرکز کی جڑواں عمارتوں پر حملے کو عصری تاریخ میں ایک اہم تبدیلی کے طور پر دیکھا گیا ہے۔

اجمالی نظر

ہم یہ دیکھ چکے ہیں کہ سرد جنگ کے خاتمہ پر دنیا میں امریکہ کا کوئی رقیب باقی نہیں رہا۔ اس کے بعد کے زمانے کو ریاست ہائے متحدہ امریکہ کے غلبہ کا زمانہ یا ایک قطبی دنیا کہا جاتا ہے۔ اس باب میں ہم اس غلبہ کی نوعیت، وسعت اور حدود کا مطالعہ کریں گے۔ ہم نئے عالمی نظام کے نمود وفروغ کی کہانی بیان کریں گے۔ پہلی خلیجی جنگ سے لے کر، عراق پر امریکہ کی قیادت میں حملہ تک کا جائزہ لیں گے۔ اس کے بعد ہم امریکی غلبہ کی نوعیت کو بالادستی کے تصور کی مدد سے سمجھنے کی کوشش کریں گے۔ امریکہ کے سیاسی، معاشی اور ثقافتی پہلوؤں پر غور کرنے کے بعد امریکہ کی جانب ہندوستان کی پالیسی کی ترجیحات اور امکانی راہوں کا جائزہ لیں گے۔ آخر میں یہ دیکھیں گے کہ کیا اس بالادستی کے سامنے کیا چیلنج ہیں اور آیا اس بالادستی پر قابو پایا جاسکتا ہے۔

© NCERT not to be republished

عائشہ، جابو اور آندرے

بغداد سے باہر ایک ہائی اسکول میں عائشہ کی پڑھائی بہت اچھی چل رہی تھی اور وہ یونیورسٹی میں ڈاکٹری پڑھنے کا پلان بنا رہی تھی۔ 2003 میں جب وہ اپنے دوستوں کے ساتھ ایک فضائی حملہ کی پناہ گاہ میں تھی اس کی ٹانگ ایک میزائل کی زد میں آ گئی اور وہ ایک ٹانگ سے محروم ہوگئی۔ وہ اب پھر سے چلنا سیکھ رہی ہے، وہ اب بھی ڈاکٹر بننا چاہتی ہے لیکن تب ہی جب باہر سے آئی ہوئی فوجیں اس کے ملک کو چھوڑ دیں۔

جابو ایک نوجوان باصلاحیت فن کار ہے جو ڈربن، جنوبی افریقہ میں رہتا ہے۔ اس کی مصوری روایتی قبائلی آرٹ سے بہت متاثر ہے۔ وہ ایک آرٹ اسکول میں داخلہ چاہتا ہے اور بعد میں خود اپنا اسٹوڈیو کھولنا چاہتا ہے۔ لیکن اس کے والد کے خیال میں اسے MBA کرنا چاہیے اور پھر خاندانی بزنس میں شرکت کرنی چاہیے۔ بزنس کی حالت اچھی نہیں ہے اور جابو کے والد کی رائے میں MBA کرنے کے بعد جابو بزنس کو منافع بخش بنا سکتا ہے۔

آندرے بھی ایک نوجوان ہے جو پرتھ، آسٹریلیا میں رہتا ہے۔ اس کے والدین روس سے ہجرت کر کے یہاں آ بسے ہیں۔ جب بھی آندرے نیلی جینز پہن کر کلیسا جاتا ہے تو اس کی ماں کو بہت غصہ آتا ہے، وہ چاہتی ہے کہ آندرے چرچ میں شریف نظر آئے۔ آندرے اپنی ماں کو بتاتا ہے کہ جینز اچھی لگتی ہیں اور ان میں وہ اپنے کو کھلا کھلا محسوس کرتا ہے۔ آندرے کا باپ اپنی بیوی کو یاد دلاتا ہے کہ جوانی میں لینن گراڈ میں وہ بھی جینز پہنتے تھے۔ اور کم و بیش انھیں اسباب کی وجہ سے جواب ان کا بیٹا پیش کرتا ہے۔

مجھے خوشی ہے کہ میں نے سائنس کے مضامین نہیں لیے ورنہ میں بھی امریکا کی قیادت کا ایک شکار ہوتا۔ کیا تم بتا سکتے ہو کیوں اور کیسے؟

آندرے کی اپنی ماں سے بحث ہوئی تھی۔ ممکن ہے کہ جابو وہ مضمون پڑھنے پر مجبور ہو جس میں اس کو کوئی دلچسپی نہیں ہے۔ اس کے برعکس عائشہ اپنی ٹانگ سے تو محروم ہوگئی لیکن خوش قسمتی سے زندہ ہے۔ ان تینوں کے مسائل ہم ایک ہی طرح سے کیسے بیان کر سکتے ہیں۔ لیکن ہمیں ایسا کرنا پڑے گا۔ جیسا کہ ہم اس باب میں دیکھیں گے، یہ تینوں کسی نہ کسی طرح امریکہ کی بالادستی سے متاثر ہوئے ہیں۔ ہم عائشہ، جابو اور اندرے سے پھر ملاقات کریں گے۔ پہلے ہم امریکہ کی بالادستی کی شروعات اور آج کی دنیا میں اس کے طریقۂ کار کو سمجھ لیں۔

اس کے بعد ہم ریاست ہائے متحدہ کے لیے زیادہ مقبول لفظ 'امریکہ' استعمال کریں گے۔ یہ بہتر ہوگا کہ ہم اپنے کو یہ یاد دلاتے رہیں کہ لفظ امریکہ کے دراصل معنی دو براعظموں، شمالی اور جنوبی امریکہ کے ہیں۔ لہٰذا محض یونائیٹڈ اسٹیٹس کے لیے لفظ امریکہ کا استعمال خود اس کے بالادستی کی نشانی ہے اور یہی ہمارا موضوع ہے۔

نئے عالمی نظام کی ابتدا

سوویت یونین کے اچانک انتشار نے سب کو حیرت میں ڈال دیا۔ ایک عظیم طاقت ختم ہوگئی لیکن دوسری اپنی تمام توانائیوں اور صلاحیتوں کے ساتھ جوں کی توں رہی بلکہ اس کی طاقت میں مزید اضافہ ہی ہوا۔ اس کا مطلب ہے کہ امریکہ کی بالادستی 1991 میں اس وقت ظاہر ہوئی جب بین الاقوامی منظر سے سوویت یونین غائب ہوگیا۔

© NCERT not to be republished

ٹوٹی پھوٹی اور جلی ہوئی گاڑیوں کی یہ تصویر پہلی خلیجی جنگ کے دوران فروری 1991 میں لی گئی تھی۔ یہ کویت سے بصرہ جاتی ہوئی سڑک 'موت کی شاہراہ' کی تصویر ہے جس پر واپس ہوتی ہوئی عراقی افواج پر امریکی جہازوں نے بمباری کی تھی۔ مبصرین کا کہنا ہے کہ یہ بمباری دانستہ کی گئی تھی حالانکہ عراقی فوجیں بھاگ رہی تھیں اور لڑائی کی صورتِ حال سے الگ عراقی سپاہی ایک ٹریفک جام میں پھنسے ہوئے تھے۔ اس بمباری کے شکار کویتی قیدی اور یرغمالی اور فلسطینی پناہ گزین بنے۔ اکثر مشاہدین نے اس کو ایک 'جنگی جرم' کہا ہے اور جنیوا کنونشن کی خلاف ورزی سے تعبیر کیا ہے۔

یہ بات بہت بڑی حد تک صحیح ہے لیکن اس سلسلے میں ہمیں اس سے وابستہ دو نکتوں پر بھی غور کرنا چاہیے۔ پہلے تو یہ، جیسا کہ ہم اس باب میں دیکھیں گے کہ امریکہ کی بالادستی کے کچھ پہلو 1991 میں نہیں ابھرے بلکہ درحقیقت وہ دوسری عالمی جنگ کے خاتمہ یعنی 1945 میں ہی سامنے آ گئے تھے۔ دوسرے یہ کہ امریکہ نے فوراً 1991 سے ہی ایک واحد عالمی طاقت کی طرح سے برتاؤ نہیں شروع کر دیا تھا۔ بلکہ یہ احساس دنیا کو کافی بعد میں ہوا کہ وہ 'بالادستی' کی دنیا میں رہ رہے ہیں۔ یہ بالادستی کس طرح قائم ہوئی اس کو ہمیں بہت قریب سے دیکھنا ہوگا۔

اگست 1990 میں عراق نے کویت پر حملہ کر دیا اور بہت تیزی سے اس پر قبضہ کرتا چلا گیا اور بعد میں کویت کا الحاق خود سے کر لیا۔ جب عراق کو کویت سے ہٹانے کی سب سفارتی کوششیں ناکام ہوگئیں تو اقوام متحدہ نے کویت کی آزادی کے لیے قوت کا استعمال کرنے کی اجازت دے دی۔ سرد جنگ کے برسوں کے تعطل کے بعد اقوام متحدہ کا یہ فیصلہ بہت ڈرامائی تھا۔ امریکہ کے صدر

جارج ڈبلیو بش نے اس کا خیر مقدم 'ایک نئے عالمی نظام کا ظہور' کہہ کر کیا۔

34 ممالک سے اکٹھی کی ہوئی 6,60,000 کی تعداد میں زبردست فوج نے مل کر عراق کے خلاف جنگ چھیڑی اور اس کو شکست دے دی۔ یہ 'خلیج کی پہلی جنگ' کہلاتی ہے۔ لیکن اقوام متحدہ کا یہ حملہ جس کو 'طوفان دشت کی مہم (Operation Desert Storm) کا نام دیا گیا تھا درحقیقت زیادہ تر امریکی تھا۔ اقوام متحدہ کی فوجوں کی کمان ایک امریکی جنرل نارمن شوازکوف کے ہاتھوں میں تھی اور تقریباً 75 فیصد افواج ریاست ہائے متحدہ سے لی گئی تھیں۔ حالانکہ عراق کے صدر صدام حسین نے اس جنگ کو 'تمام جنگوں کی ماں' کہا تھا لیکن عراقی فوجوں کی جلد ہی پسپائی ہوگئی اور ان کو کویت سے واپس ہونا پڑا۔

پہلی خلیجی جنگ نے ریاست ہائے متحدہ امریکہ اور باقی ممالک کے درمیان ٹکنالوجی کی صلاحیت میں فاصلے کو اچھی طرح سے واضح کر دیا۔ خوب تشہیر شدہ نام نہاد 'اسمارٹ بم' کی وجہ سے، جو امریکہ نے اس جنگ میں استعمال کیے، کچھ مبصرین نے اس کو 'کمپیوٹر کی جنگ' کہا۔ وسیع پیمانے پر ٹیلی ویژن پر دکھانے کی وجہ سے اس کو 'ویڈیو گیم کی جنگ' بھی کہا گیا۔ اپنے اپنے آرام دہ ڈرائنگ روم میں بیٹھے ہوئے ساری دنیا کے لوگوں نے عراقی افواج کی تباہی و بربادی کو دیکھا۔

ناقابل یقین طور پر اس جنگ سے ریاست ہائے متحدہ امریکہ نے فائدہ اٹھایا۔ بہت سی رپورٹوں کے مطابق، جرمنی، جاپان اور سعودی عرب سے جتنا پیسہ اس جنگ کے لیے امریکہ کو ملا اس سے کم خرچ ہوا۔

کلنٹن کا دور

پہلی خلیجی جنگ کی فتح کے باوجود جارج ڈبلیو بش 1992 کا امریکی صدارتی الیکشن ڈیموکریٹک پارٹی کے امیدوار ولیم جیفرمن (بل) کلنٹن سے ہار گئے جنھوں نے اپنی الیکشن کی مہم میں بجائے خارجہ پالیسی کے داخلی معاملات کو مسئلہ بنایا۔ بل کلنٹن 1996 میں پھر الیکشن جیتے اور اس طرح وہ آٹھ سال تک امریکا کے صدر رہے۔ کلنٹن کے دور اقتدار میں کئی بار یہ محسوس ہوا کہ امریکہ اپنے داخلی معاملات میں زیادہ ملوث ہے اور اس کو دنیا کے سیاسی مسائل میں زیادہ دلچسپی نہیں رہ گئی ہے۔ خارجہ پالیسی میں کلنٹن حکومت نرم مسائل' جیسے جمہوریت کا فروغ ' ماحولیاتی تبدیلی اور عالمی تجارت کی جانب زیادہ متوجہ تھی بہ نسبت فوجی طاقت اور تحفظ جیسے سخت مسائل کے۔

اس کے باوجود بھی خود کلنٹن کے زمانے میں ریاست ہائے متحدہ امریکہ نے فوجی طاقت استعمال کرنے کے لیے اپنی آمادگی ظاہر کی ہے۔ جن میں سب سے زیادہ نمایاں واقعہ 1999 میں پیش آیا۔ جو یوگوسلاویہ کی ان حرکتوں کے جواب میں تھا جو اس نے اپنے البانی آبادی والے صوبہ کوسوو (Kosove) میں جاری کر رکھی تھیں۔ NATO کی افواج جو ریاست ہائے متحدہ امریکہ کی قیادت کر رہی تھیں، دو ماہ تک یوگوسلاویہ کے نزدیکی ٹھکانوں پر بمباری کرتی رہیں۔ نتیجے کے طور پر سلوبادان ملوزووچ کی حکومت گر گئی اور NATO افواج کوسوو میں رہیں۔

ایک اور اہم فوجی قدم جو کلنٹن کے زمانے میں ریاست ہائے متحدہ امریکہ نے اٹھایا وہ نیروبی، کینیا اور دارالسلام، تنزانیہ میں امریکی سفارت خانوں پر بمباری

کیا یہ صحیح ہے کہ ریاست ہائے متحدہ نے آج تک کوئی جنگ اپنی سرزمین پر نہیں لڑی ہے کیا اس سے ریاست ہائے متحدہ کے کسی بھی فوجی تنازعہ میں کود پڑنا آسان نہیں ہوجاتا ہے۔

© NCERT not to be republished

کے جواب میں 1998 میں تھا۔ ان بمباریوں کو القاعدہ سے منسوب کیا گیا جو ایک دہشت گرد تنظیم تھی اور اسلامی نظریات سے متاثر تھی۔ ان بمباریوں کے کچھ ہی دن بعد صدر کلنٹن نے Operation Infinite Reach کا حکم دے دیا۔ یہ القاعدہ دہشت گردوں کے افغانستان اور سوڈان کے ٹھکانوں پر بمباری تھا۔ اس معاملہ میں امریکہ نے نہ تو اقوام متحدہ کی اجازت کی پرواہ کی اور نہ ہی بین الاقوامی قانون کا لحاظ کیا۔ یہ کہا گیا کہ کچھ نشانے دراصل شہری مقامات تھے اور ان کا دہشت گردوں سے کوئی تعلق نہیں تھا۔ ماضی پر نظر ڈالیے تو یہ صرف شروعات تھی۔

9/11 اور دہشت گردی کے خلاف عالم گیر جنگ

11 ستمبر 2001 کو عرب ممالک سے تعلق رکھنے والے 19 ہائی جیکرز نے 4 امریکی تجارتی طیاروں پر ان کے اڑان بھرتے ہی قبضہ کرلیا اور ان کو لے جا کر امریکہ کی اہم عمارتوں سے ٹکرا دیا۔ ایک ایک طیارہ عالمی تجارتی مرکز کے شمالی اور جنوبی ٹاور سے ٹکرایا۔ تیسرا طیارہ آرلنگٹن، ورجنیا میں پینٹاگن (Pentagon) کی عمارت سے ٹکرایا جہاں ریاست ہائے متحدہ امریکہ کے محکمہ دفاع کا صدر دفتر ہے۔ چوتھا طیارہ، جس کے متعلق خیال کیا جاتا ہے کہ اس کی منزل امریکہ کی کانگریس کیپیٹل بلڈنگ تھی، پنسلوینیا (Pensylvania) کی ایک وادی میں گر کر تباہ ہو گیا۔ یہ حملے ''9/11'' کے نام سے جانے جاتے ہیں (امریکہ میں طریقہ یہ ہے کہ مہینے کا نام یا نمبر پہلے لکھتے ہیں اس کے بعد تاریخ، اس لیے مختصراً اس کو 9/11 لکھتے ہیں بجائے 11/9 کے جیسا کہ ہم ہندوستان میں لکھتے ہیں)

اس حملہ میں تقریباً تین ہزار لوگ مارے گئے۔ اس حملے نے امریکیوں کو جو صدمہ پہنچایا، یا اس سے جو جھٹکا لگا اس کا موازنہ 1814 کی واشنگٹن ڈی سی کی برطانوی آتش زنی یا 1941 میں پرل ہاربر پر جاپان کے حملے سے کیا جاسکتا ہے۔ لیکن جانی نقصان کے اعتبار سے 9/11

یہ بڑی مضحکہ خیز بات ہے کیا اس کا یہ مطلب لیا جائے کہ سری لنکا پیرس پر اس لیے میزائل چھوڑ دے کیونکہ اس کو کچھ LTTE جنگجوؤں کے وہاں چھپے ہونے کا شبہ ہے؟

"All the News That's Fit to Print"

The New York Times

Late Edition

NEW YORK, WEDNESDAY, SEPTEMBER 12, 2001

U.S. ATTACKED

HIJACKED JETS DESTROY TWIN TOWERS AND HIT PENTAGON IN DAY OF TERROR

A CREEPING HORROR

Buildings Burn and Fall as Onlookers Search for Elusive Safety

President Vows to Exact Punishment for 'Evil'

A Somber Bush Says Terrorism Cannot Prevail

Awaiting the Aftershocks

Washington and Nation Plunge Into Fight With Enemy Hard to Identify and Punish

MORE ON THE ATTACKS

9/11 نیویارک ٹائمز نے دوسری صبح یہ خبر کس طرح پیش کی، اس کی تصویر

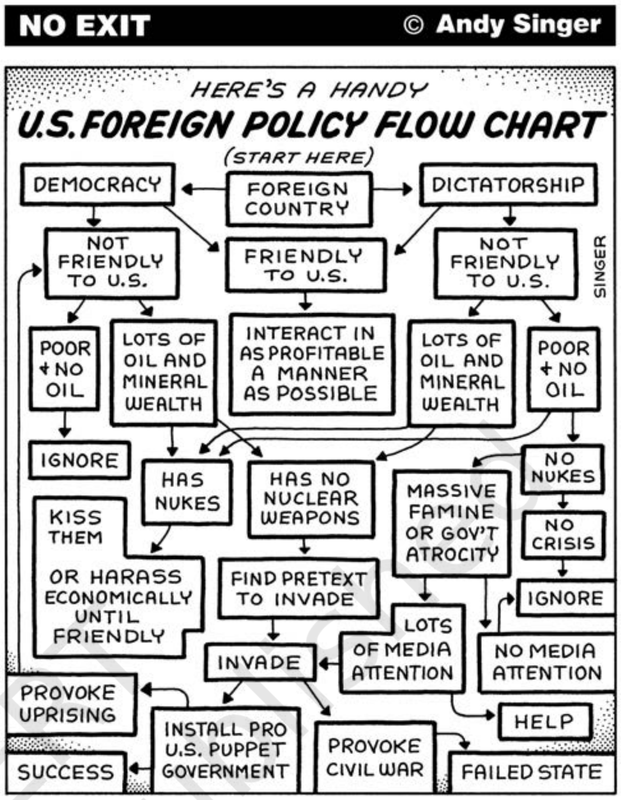

فرض کیجیے کہ آپ امریکی وزیرِ خارجہ ہیں۔ اس صورت میں آپ تو ایک پریس کانفرنس میں ان کارٹونوں کے متعلق کیا ردِ عمل دکھائیں گے؟

ریاست ہائے متحدہ کے 1776 میں وجود میں آنے کے بعد اس کی سرزمین پر سب سے بڑا حملہ تھا۔

9/11 پر ریاست ہائے متحدہ کا ردعمل تیز اور سفّاک تھا۔ ریاست ہائے متحدہ کی کرسیٔ صدارت اب بل کلنٹن کے بجائے رپبلکن پارٹی کے جارج ڈبلیو بش نے، جو سابق صدر جارج ایچ۔ ڈبلیو بش کے صاحب زادے تھے، نے سنبھالی۔ کلنٹن کے برعکس بش امریکی مفادات اور ان کو حاصل کرنے کے ذرائع کے بارے میں زیادہ سخت تھے۔ دہشت گردی کے خلاف عالم گیر جنگ کے منصوبے کے تحت امریکہ نے پائیدار آزادی کی مہم بالخصوص القاعدہ اور افغانستان میں طالبان حکومت کے خلاف چھیڑ دی۔ طالبان کی حکومت کو آسانی سے اکھاڑ پھینکا گیا لیکن طالبان اور القاعدہ کا بچا کچا حصہ پھر بھی دم دار رہا جیسا کہ مغربی ٹھکانوں پر ان کے دہشت گرد حملوں کی تعداد سے ظاہر ہوتا ہے۔

امریکہ کی فوجوں نے دنیا بھر میں گرفتاریاں کیں اور قیدیوں کو ان کے ممالک سے باہر لا کر خفیہ قید خانوں میں رکھا گیا۔ دلچسپ بات یہ ہے کہ ان میں سے اکثر گرفتار ہونے والوں کی حکومتوں کو خبر نہ تھی کہ کیا ہو رہا ہے۔ ان میں سے کچھ کو Guantanamo Bay لایا گیا۔ یہ کیوبا میں امریکہ کا ایک بحری اڈہ ہے جہاں قیدیوں کو نہ تو بین الاقوامی قانون، نہ اپنے ملک کے قانون اور نہ ہی امریکہ کے قانون کی سہولتیں حاصل تھیں۔ یہاں تک کہ اقوامِ متحدہ کے افسران بھی ان قیدیوں سے نہیں مل سکتے تھے۔

عراق پر حملہ

19/ مارچ 2003 کو امریکہ نے خفیہ 'آپریشن آزادیِ عراق' (Operation Iraqi Freedom) کے تحت عراق پر حملہ کر دیا۔ ریاست ہائے متحدہ امریکہ کی قیادت میں چالیس سے زیادہ ملکوں نے Coalition of the willing یعنی 'رضامندوں کا مخلوط اتحاد' کے نام سے جماعت بنائی جب کہ اقوام متحدہ نے اس حملہ کی اجازت دینے سے انکار کر دیا۔ اس حملے کے لیے ایک بناوٹی بہانہ یہ تھا کہ عراق کو بڑی تباہی کے ہتھیاروں (Weapons of Mas Destruction WMD) کو جمع کرنے سے روکنا ہے۔ کیونکہ عراق میں WMD کا کوئی ثبوت نہیں ملا، لہذا یہی سمجھا گیا کہ اس حملے کے اصل محرکات کچھ اور تھے جیسے کہ عراق کے تیل کے ذخائر پر قبضہ اور امریکہ کی پٹھو حکومت کا قیام۔

اگر چہ صدام حسین کی حکومت جلد ہی گر گئی لیکن امریکہ کی حکومت عراق کو 'زیر' نہیں کر سکی۔ عراق میں پورے پیمانے پر امریکہ کے قبضے کے خلاف بغاوت شروع ہوگی۔ ریاست ہائے متحدہ امریکہ کے تقریباً تین ہزار فوجیوں نے جان سے ہاتھ دھوئے لیکن عراقیوں کی اموات کی تعداد کہیں زیادہ ہے۔ ایک محتاط اندازے کے مطابق حملے کے بعد سے اب تک 50,000 عراقی مارے جا چکے ہیں۔ اور اب یہ مانا جاتا ہے کہ ریاست ہائے متحدہ کی قیادت میں ہونے والا یہ حملہ سیاسی اور فوجی ناکامی تھی۔

بالادستی کا کیا مطلب ہے؟

سیاست، طاقت کے گرد گھومتی ہے۔ جس طرح سے افراد طاقت حاصل کر کے اس کو باقی رکھنا چاہتے ہیں اسی طرح سے گروپ بھی طاقت حاصل کرنا چاہتے ہیں اور اس کو باقی رکھنا چاہتے ہیں۔ عالمی سیاست میں بھی کچھ ممالک یا ممالک کے گروپ ہر وقت طاقت ور بننے اور

آئیے اسے کریں

سرد جنگ کے بعد کے ان تنازعات کی فہرست بنائیں جن میں ریاست ہائے متحدہ امریکہ نے مخدوش کردار ادا کیا۔

نمائندگی ریاست ہائے متحدہ امریکہ اور سوویت یونین کرتے تھے۔ سوویت یونین کے انتشار کے بعد دنیا میں ایک ہی طاقت رہ گئی۔ یعنی ریاست ہائے متحدہ امریکہ۔ کبھی کبھی جب بین الاقوامی نظام میں صرف ایک ہی عظیم طاقت کا غلبہ ہو تو اس صورتِ حال کو 'ایک قطبی' نظام کہا جاتا ہے۔ لیکن ایسا لگتا ہے کہ علم طبیعیات سے آئے ہوئے لفظ ''قطب'' کے استعمال سے زیادہ انصاف نہیں ہو رہا ہے۔ لہٰذا یہ زیادہ مناسب ہوگا کہ ایک ایسا بین الاقوامی نظام جس میں طاقت صرف ایک مرکز پر سمٹ آئی ہو اس کو قیادت، بالادستی کی اصطلاح دی جائے۔

Hegemony یا قیادت کیا ہے؟ ہمیں اس بارے میں تین مختلف رائیں ملتی ہیں۔ ہم ان میں سے تینوں کا جائزہ لیں گے اور بالادستی، کے معنی کو ہم عصر سیاست سے ہم آہنگ کرنے کی کوشش کریں گے۔

ایک بے رحم اور صبر آزما طاقت کے طور پر

لفظ Hegemony کا ماخذ کلاسیکی یونانی زبان سے ہے اور اس لفظ کا مطلب ہے کہ کسی ایک ریاست کی برتری یا رہنمائی۔ اور سب سے پہلے اس کا استعمال یونان کی دوسری ریاستوں کے مقابلے میں ایتھنز (Athens) کی فوقیت اور برتری کے لیے ہوا۔ لہٰذا قیادت کے اوّلین معنی ریاستوں کے درمیان تعلقات، ان کی فوجی صلاحیتوں کے درمیان توازن اور انداز کے ہیں۔ اس معنی میں فوجی برتری کا تصور موجودہ صورتِ حال میں بین الاقوامی سیاست میں ریاست ہائے متحدہ امریکہ کی حیثیت مقرر کرتا ہے۔ کیا آپ کو عائشہ یاد ہے جس

عنوان: ''ریاست ہائے متحدہ کے انگوٹھے کے نیچے''۔ ہمیں عام فہم معنوں میں سرداری کا مطلب سمجھا تا ہے۔ کارٹون امریکی دادا گیری کے بارے میں کیا کہتا ہے؟ کارٹون بنانے والا دنیا کے کس حصے کی بات کرتا ہے؟

پھر اس طاقت کو اپنے پاس رکھنے کی کوشش میں مصروف رہتے ہیں۔ یہ طاقت فوجی غلبہ، معاشی قوت، سیاسی اثر اور ثقافتی برتری کی شکل میں ہوتی ہے۔

لہٰذا اگر ہمیں دنیا کی سیاست کو سمجھنا ہے تو یہ لازمی ہے کہ ہم دنیا کے ممالک کے درمیان طاقت کی تقسیم کو سمجھیں۔ مثال کے طور پر سرد جنگ (91-1945) کے زمانے میں طاقت مختلف ممالک کے دو گروپوں میں بٹی ہوئی تھی اور عالمی سیاست میں دونوں گروہوں کی

بالادستی جیسے مشکل الفاظ کیوں استعمال کیے جائیں؟ میرے شہر میں لوگ اسے دادا گیری کہتے ہیں۔ کیا یہ بہتر لفظ نہیں ہے؟

امریکی فوجی کمان کا ڈھانچہ

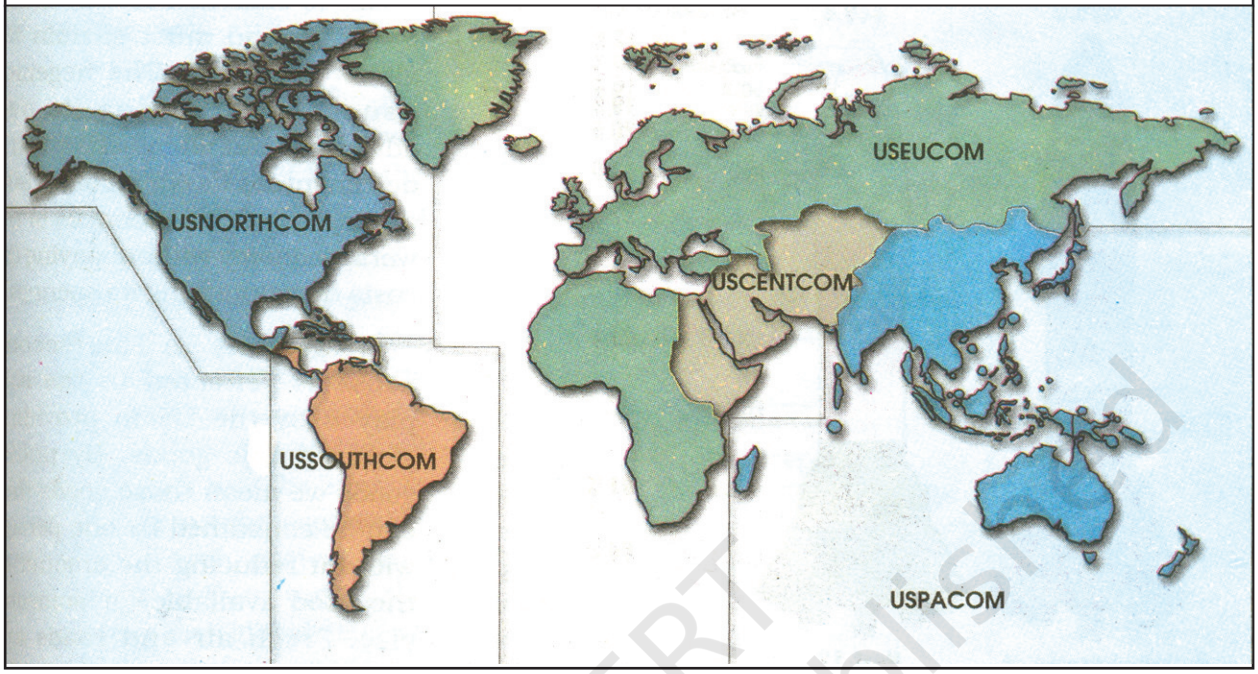

ماخذ: Http:\\www..army.mil/institution/organisation/areaof_responsibility.jpg

نے امریکی میزائل حملے میں اپنی ایک ٹانگ کھودی تھی۔ یہ زبردست طاقت والی قیادت (Hard Power Hegemony) ہے جس نے عائشہ کو ٹانگ سے تو محروم کردیا لیکن ہمت وحوصلہ سے نہیں۔

ریاست ہائے متحدہ کی تمام قوت کا انحصار اس کی فوج کی بے پناہ برتری پر ہے۔ آج امریکا کا یہ فوجی تسلط اور غلبہ مکمل بھی ہے اور نسبتاً بہت زیادہ ہے۔ جہاں تک مکمل ہونے کا سوال ہے تو ریاست ہائے متحدہ امریکہ کے پاس وہ فوجی صلاحتیں موجود ہیں کہ اس سیارے پر جس وقت اور جب اور جتنے وقت میں چاہیں تباہی کے لیے پہنچ سکتے ہیں اور دشمن کو اپاہج بنا سکتے ہیں جب کہ خود اس کی اپنی افواج جنگ کے خطروں سے زیادہ سے زیادہ اور محفوظ سے محفوظ ترین جگہوں میں رہتی ہیں۔

لیکن اس سے زیادہ تکلیف دہ بات یہ ہے کہ کوئی دوسری ریاست ریاست ہائے متحدہ کی ان صلاحیتوں کو چھو کر بھی نہیں گزری۔ اپنی صلاحیتوں کو برقرار رکھنے کے لیے ریاست ہائے متحدہ، اپنے سے نچلی 12 ریاستوں کے مجموعی دفاعی اخراجات، سے زیادہ خرچ کرتی ہے۔ اس کے علاوہ پینٹگن (Pentagon) یعنی امریکی محکمہ دفاع کے بجٹ کا ایک بڑا حصہ فوجی تحقیق وترقی میں چلا جاتا ہے۔ دوسرے الفاظ میں ٹکنالوجی میں۔ اس کا مطلب ہے کہ ریاست ہائے متحدہ امریکہ کا فوجی غلبہ محض فوجی اخراجات کا مرہون منت نہیں ہے بلکہ اس کے اور دوسری ریاستوں کی ٹیکنالوجی اور کوالٹی میں جو فاصلہ اور فرق ہے فی الحال اس کو کوئی طاقت نہیں پاٹ سکتی۔

اس میں شک نہیں کہ عراق پر ریاست ہائے متحدہ امریکہ کے حملے نے خود اسی کے کئی کمزور پہلو نمایاں

دنیا کی زیادہ تر افواج اپنے عمل کے دائرے کو مختلف ''کمانڈ'' میں تقسیم کرتی ہیں جو کہ مختلف کمانڈر کی زیر نگرانی ہوتے ہیں۔ اس نقشہ میں ریاست ہائے متحدہ امریکہ کی پانچ 'کمانڈ' کے علاقے دکھائے گئے ہیں۔ یہ دکھاتا ہے کہ ریاست ہائے متحدہ کی کمانڈ کے علاقے صرف ریاست ہائے متحدہ تک ہی محدود نہیں ہیں بلکہ پوری دنیا میں پھیلے ہوئے ہیں یہ نقشہ ہمیں ریاست ہائے متحدہ امریکہ کی فوجی طاقت کے بارے میں کیا بتاتا ہے؟

سالانہ دفاعی اخراجات 2004

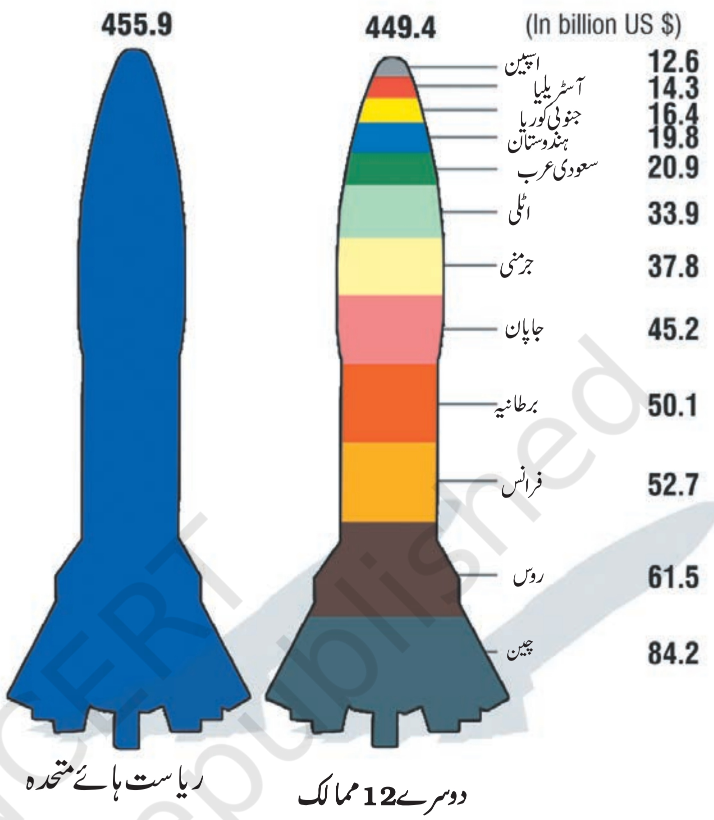

ماخذ The Military Balance 2006 (London: International Institute for Strategic Studies/Routledge, 2006), pp. 398-403 (Table 44: Comparative Defence Expenditure and Military Manpower, 2002-2004).

آج کل ریاست ہائے متحدہ اپنے سے نچلی 12 ریاستوں کے مجموعی دفاعی اخراجات سے زیادہ خرچ کرتی ہے۔ جیسا کہ تم دیکھو گے کہ فوج پر زیادہ سے زیادہ خرچ کرنے والے ممالک ریاست ہائے متحدہ کے دوست اور حلیف ہیں۔ لہٰذا طاقت کے توازن کو برقرار رکھنے کی حکمت عملی فی الحال ممکن نہیں۔

کردیے۔ ریاست ہائے متحدہ امریکہ کسی طرح بھی عراقی عوام کو اس کی اپنی قیادت کے اتحادی فوجوں کو تسلیم کرنے پر مجبور نہیں کر سکی۔ لیکن امریکی کمزوری کی نوعیت کو صحیح طور پر سمجھنے کے لیے ہمیں تاریخی شعور کی ضرورت ہوگی۔ ماضی میں استعماری طاقتوں نے صرف چار مقاصد کے حصول کے لئے فوجی طاقت کا استعمال کیا: فتوحات، دفاع، تعزیری کارروائی اور ضبط و نظم کا قیام۔ عراقی حملے نے یہ ثابت کردیا کہ اول دو کاموں میں ریاست ہائے متحدہ کی صلاحیت اپنی جگہ مسلم ہے۔ ریاست ہائے متحدہ کی افواج نے جہاں کمزوری دکھائی ہے، وہ ایک مقبوضہ علاقے میں نظم وضبط کا قیام ہے۔

بالادستی ایک ساختی قوت کی حیثیت سے
(Hegemony as Structural Power)

بالادستی کے متعلق دوسری رائے پہلی رائے سے بالکل مختلف ہے۔ یہ رائے دنیا کی معیشت کی ایک مخصوص سمجھ سے ابھرتی ہے۔ بنیادی نظریہ یہ ہے کہ دنیا میں آزاد معیشت اپنی تخلیق اور اپنے وجود کے لیے ایک عظیم قوت چاہتی ہے۔ جس کے پاس نظم کے کچھ عناصر قائم کرنے اور انھیں برقرار رکھنے کے لیے ارادہ اور صلاحیت دونوں موجود ہوں۔ قائد یہ کام عام طور سے اپنے فائدے کے لیے کرتا ہے لیکن، نقصان کے ساتھ بھی کیونکہ اس سے مقابلہ کرنے والے عالمی معیشت کی کشادگی کا فائدہ تو اٹھاتے ہیں لیکن اس کی برقراری کے لیے جو قیمت چکانی پڑتی ہے وہ نہیں چکاتے۔

ڈالر کی دنیا

بالادستی (Hegemony) اپنے دوسرے معنی میں امریکہ کے اس کردار میں دیکھی جاسکتی ہے جو وہ عالمی پیمانے پر عوامی اشیا بہم پہنچانے میں کرتا ہے۔ عوامی اشیا یا Public Goods سے ہماری مراد اس سامان سے ہے جو ایک شخص کسی دوسرے شخص کے لیے دستیاب سامان کو کم کیے بغیر استعمال کرتا ہے۔ تازہ ہوا اور سڑکیں عوامی اشیا کی مثالیں ہیں۔ عالمی معیشت کے پس منظر میں عوامی اشیا کی سب سے بہتر مثالیں مواصلات کے بحری قوانین (Sea-Laws of Communication) (SLOCs) ہیں یعنی وہ سمندری راستے جو تجارتی جہازوں کے استعمال میں رہتے ہیں۔ ایک کشادہ عالمی معیشت میں آزادانہ تجارت ان قوانین کے بغیر ناممکن ہے۔ بالادست ملک کی بحری قوت ہی بحری قانون اور جہازوں کی بیمہ سازی وغیرہ کا کام کرتی ہے اور بین الاقوامی سمندروں میں سب کے لیے جہاز رانی کا حق محفوظ رکھتی ہے۔ دوسری عالمی جنگ کے بعد برطانیہ کی بحری طاقت کے زوال کے بعد ریاست ہائے متحدہ امریکہ نے یہ کردار ادا کیا۔

عوامی سامان کی دوسری مثال انٹرنیٹ Internet ہے۔ اگرچہ اس کو عالمی ویب World Wide Web یعنی www کی دنیا کو ممکن بنانے والے کے طور پر دیکھا جاتا ہے لیکن ہمیں یہ نہیں بھولنا چاہیے کہ انٹرنیٹ جو

یہ ملک اتنا دولت مند کیسے ہوسکتا ہے؟ میں تو یہاں اتنے غریب آدمیوں کو دیکھتی ہوں، ان میں زیادہ تر غیرسفید فام ہیں۔

کل گھریلو پیداوار 2005

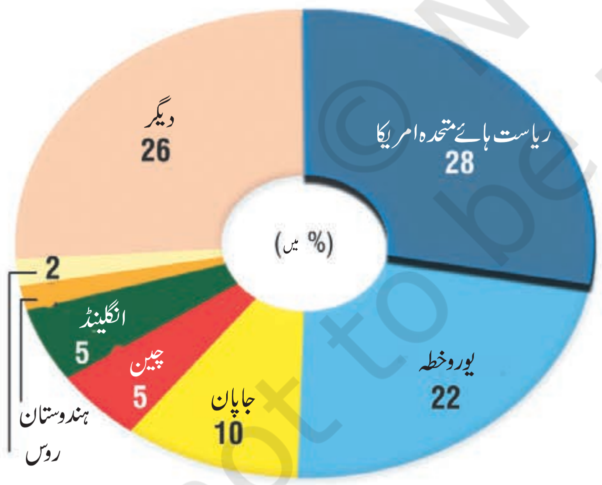

کل گھریلو پیداوار 2005
(جزوی طور پر قوت خرید)

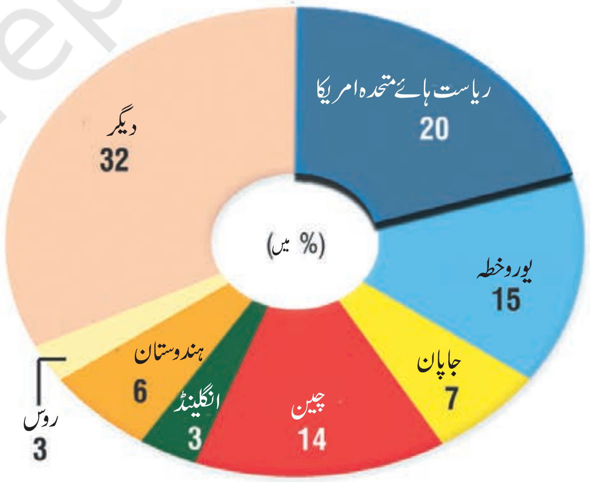

ماخذ: World Development Indicators database, World Bank, 1 July, 2006, accessed from http://siteresources.worldbank.org/DATASTATISTICS/Resources/GDP.pdf

امریکی معیشت دنیا میں سب سے بڑی ہے۔ لیکن فوجی میدان کے برعکس اس کو یہاں سخت مقابلے کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ یہ بات زیادہ واضح ہوجائے گی اگر ہم Purchasing Power Parity (PPP) کے اصول پر عالمی معیشت پر غور کریں جیسے کہ مندرجہ بالا گراف میں ہے۔ PPP سے مراد وہ سامان اور خدمات ہیں جو کسی ملک کو اس کی کرنسی کے عوض ملتی ہیں۔

© NCERT not to be republished

1950 میں شروع ہوئی ایک ریاست ہائے متحدہ فوج کی تحقیق کا براہ راست نتیجہ ہے۔ آج بھی انٹرنیٹ عالمی نیٹ ورک جن سیاروں پر منحصر ہے ان میں زیادہ تر ریاست ہائے متحدہ امریکہ کی ملکیت ہیں۔

جیسا کہ ہم جانتے ہیں ریاست ہائے متحدہ امریکہ دنیا میں ہر جگہ اور ہر معیشت اور ٹکنالوجی کے میدان میں موجود ہے دنیا کی معیشت میں ریاست ہائے متحدہ امریکہ کا حصہ 28 فی صد ہے، جو کہ بہت بڑا حصہ ہے۔ اگر عالمی تجارت کے اعداد و شمار میں، یوروپ میں ہونے والی تجارت کو بھی ملا دیا جائے تو ریاست ہائے متحدہ امریکہ کا عالمی تجارت میں حصہ 15 فی صد ہو جاتا ہے۔ دنیا کی معیشت کا کوئی بھی حصہ ایسا نہیں ہے جہاں کوئی ایک امریکن کمپنی کا نام، چوٹی کی تین کمپنیوں میں نہ ہو۔

یہ یاد رکھنا بھی اہم ہے کہ ریاست ہائے متحدہ امریکہ کا معاشی تسلط اس کی تعمیری قوت سے جدا نہیں کیا جا سکتا جو کہ دراصل عالمی معیشت کو کوئی بھی شکل دینے کی قوت ہے۔ آخر کار دوسری عالمی جنگ کے بعد Bretton Woods کا جو نظام ریاست ہائے متحدہ نے بنایا وہ اب بھی دنیا کی معیشت کا بنیادی ڈھانچہ مانا جاتا ہے۔ اس لیے ہم کہہ سکتے ہیں کہ عالمی بینک، بین الاقوامی مالیاتی فنڈ (IMF) اور عالمی تجارتی تنظیم (WTO) امریکی قیادت کی ہی پیداوار ہیں۔

ریاست ہائے متحدہ امریکہ کی تعمیری قوت کی ایک مستند مثال ایک تعلیمی ڈگری ہے جس کو Master's in Business Administration (MBA) کہا جاتا ہے۔ یہ نظریہ کہ تجارت ایک پیشہ یا فن ہے جس میں مہارت کی ضرورت ہوتی ہے اور جو کہ ایک یونیورسٹی میں سکھائی جا سکتی ہے، خالص امریکی نظریہ ہے۔ دنیا کا سب سے پہلا بزنس اسکول یا کالج امریکہ کی یونیورسٹی آف پنسلوینیا میں 1881ء میں قائم ہوا۔ MBA کا اولین نصاب 1900 کے آس پاس اور ریاست ہائے متحدہ امریکہ کے باہر 1950 میں شروع کیا گیا۔ آج دنیا میں ایسا کوئی ملک نہیں ہے جہاں MBA ایک باوقار ڈگری نہ مانی جاتی ہو۔ اور یہ حقیقت ہمیں اپنے جنوبی افریقی دوست جابو کی طرف لے جاتی ہے۔ تعمیری قیادت یہ واضح کر دیتی ہے کہ جابو کا باپ یہ اصرار کیوں کر رہا ہے کہ اس کا بیٹا پینٹنگ چھوڑ کر MBA میں داخلہ لے۔

بالادستی ایک نرم طاقت کے طور پر
(Hegemony as Soft Power)

اگر ہم امریکی قیادت کو صرف فوجی اور معاشی طاقت کی طرح دیکھیں اور اس کی نظریاتی اور ثقافتی جہتوں پر غور نہ کریں تو یہ بڑی غلطی ہوگی۔ قیادت کے اس تیسرے نظریے کا پہلو دراصل رائے سازی کی اہلیت ہے۔ اس کا مطلب ہے کسی طبقے کی سماجی، سیاسی اور خصوصاً نظریاتی میدان میں فوقیت اور برتری کا حصول۔ یہ بالادستی اس وقت ظاہر ہوتی ہے جب ایک غالب طبقہ یا ملک ایک مغلوب طبقہ کی رضا مندی یا موافقت حاصل کرنے کی کوشش کرتا ہے اور مغلوب طبقے کی دنیا کو ایسی نظر سے دیکھنے کے لیے قائل کر لیتا ہے جو غالب طبقہ کے لیے فائدے مند ہو۔ لہٰذا اگر اس نظریہ کی تطبیق عالمی سیاست سے کی جائے تو بالادستی کے نظریے (hegemony) سے مراد ایک حاوی قوت، نہ صرف فوجی طاقت بلکہ نظریاتی ذرائع بھی، استعمال کرتی ہیں اور وہ چھوٹی قوتیں جو ان کے مقابل ہوں ان کی کردار سازی پر اثر انداز ہوتی ہیں اور انھیں اپنے فائدے کے لیے استعمال کرتی ہیں خصوصاً اپنی اس خواہش کی تکمیل کے لیے کہ ان

اگر میں نے سائنس کے مضامین کو اختیار کیا ہوتا تو مجھے میڈیکل اور انجینیر نگ کالج کے داخلہ کے امتحان میں بیٹھنا پڑتا۔ اس کا مطلب بہت سارے لوگوں سے مقابلہ جو ڈاکٹر اور انجینیئر بننا چاہتے ہیں تا کہ یونائیٹڈ اسٹیٹس جا سکیں۔

© NCERT not to be republished

کا غلبہ برقرار رہے۔ لہٰذا دوسرے الفاظ میں رضامندی یا اتفاق جبر و زبردستی کے ساتھ ساتھ تو چلتا ہے لیکن اکثر اس سے زیادہ موثر ہوتا ہے۔

آج دنیا میں ریاست ہائے متحدہ کی فوقیت فوجی طاقت اور معاشی مضبوطی کی وجہ سے ہی نہیں بلکہ ہر جگہ اس کی تہذیبی رسائی اور موجودگی میں بھی مضمر ہے۔ اور خواہ ہم تسلیم کریں یا نہ کریں حقیقت یہی ہے کہ بہتر زندگی اور انفرادی کامیابی کے تصورات، اور دنیا بھر کے سماجوں اور افراد کے خواب اُسی طرز زندگی سے نکلے ہیں جو بیسویں صدی کی امریکہ میں رائج ہیں۔ امریکہ اس وقت دنیا کی سب سے گمرہ کن اور سب سے زیادہ حاوی تہذیب ہے۔ اسی صلاحیت کو 'نرم طاقت' لکھتے ہیں یعنی جبر کے بجائے ترغیب کی صلاحیت رفتہ رفتہ ہمیں اس کی عادت ہوجاتی ہے اور ہمیں اس کا خیال بھی نہیں آتا کہ بالادستی ہم پر کہاں تک اثر انداز ہو رہی ہے۔ بالکل ایسے ہی جیسے ہم اپنے گرد پرندوں، دریاؤں اور درختوں کو دیکھتے ہیں لیکن احساس نہیں ہوتا۔

یہ عجیب بات ہے۔ میں جب اپنے لیے جینز خریدتی ہوں تو مجھے ریاست ہائے متحدہ امریکہ کا خیال بھی نہیں آتا۔ تو پھر میں کیسے ریاست ہائے متحدہ کی بالادستی کا شکار ہوسکتی ہوں؟

یہ تینوں تصویریں انڈونیشیا میں جکارتا کی ہیں۔ ہر تصویر میں وہ چیزیں تلاش کیجیے جو ریاست ہائے متحدہ کی بالادستی کی علامتیں ہوں۔ کیا آپ اسکول سے گھر کی واپسی کے راستے میں بھی ایسی علامتوں کی نشاندہی کرسکتے ہیں؟

تم یقیناً آندرے اور اس کی Cool نیلی جینز کو نہیں بھولے ہوگے۔ جب اس کے والدین سوویت یونین میں جوان عمر کے تھے تو ان کی نسل کے لیے یہی نیلی جینز آزادی کی نشانی تھی۔ نوجوان مرد اور عورتیں کالے بازار میں باہر کے سیاحوں سے نیلی جینز خریدنے کے لیے اپنی ایک سال کی تنخواہ خرچ کر دیتے تھے۔ جیسے بھی ہوا لیکن حقیقت یہی ہے کہ سوویت یونین کی ایک پوری نسل کے لیے نیلی جینز اُس بہتر زندگی کی تمناؤں کی نمائندہ تھی جو ان کے اپنے ملک میں میسر نہیں تھی۔

سرد جنگ کے زمانے میں ریاست ہائے متحدہ کے لیے زبردست طاقت (Hard Power) کے میدان میں سوویت یونین کے اوپر فتح پانا مشکل کام تھا۔ لیکن اس نے تعمیری قوت اور نرم قوت (Structural and soft power) کے میدان میں قابلِ ذکر کامیابیاں حاصل کیں۔ اگرچہ سوویت یونین کی مرکزی منصوبہ بند معیشت میں دنیا کے لیے ایک متبادل تھا لیکن سرد جنگ کے زمانے میں سرمایہ دارانہ معیشت ہی دنیا پر چھائی رہی۔ لیکن 'نرم طاقت' ہی وہ میدان تھا جہاں ریاست ہائے متحدہ امریکہ کو اصل فتح نصیب ہوئی۔ نیلی جینز کی مثال یہ ثابت کرتی ہے کہ ایک ثقافتی ایجاد کی مدد سے ریاست ہائے متحدہ امریکہ نے سوویت یونین کے معاشرہ میں دو نسلوں کے درمیان تفریق پیدا کر دی۔

امریکی طاقت پر بندشیں

تاریخ ہمیں بتاتی ہے کہ سلطنتوں کا زوال ان کی اپنی اندرونی کمزوریوں کے سبب ہوتا ہے۔ اسی طرح امریکی بالادستی پر سب سے زیادہ دباؤ خود امریکی قیادت کے مرکز میں موجود ہیں ہم امریکی قیادت پر تین دباؤ کی نشان دہی کر سکتے ہیں۔ ان تینوں دباؤ میں سے کوئی بھی بندش یا دباؤ "9/11" کے بعد کے سالوں میں متحرک نظر نہیں آتا۔ لیکن ایسا محسوس ہوتا ہے کہ یہ تینوں دباؤ پھر سے سرگرم ہو رہے ہیں۔

سب سے پہلی بندش یا دباؤ خود ریاست ہائے متحدہ کے نظام کی ساخت ہے۔ حکومت کی تین شاخوں

© NCERT not to be republished

اوپر یہ دونوں تصویریں American Friends Service Committee کی ترتیب دی ہوئی ایک نمائش سے جس کا موضوع 'عراقی جنگ کی انسانی قیمت' تھا اور جو ڈیموکریٹک پارٹی کے 2004 کے قومی کنونشن میں دکھائی گئی تھی، سے لی گئی ہے۔ اس قسم کے مظاہرے کس حد تک حکومت پر بندشیں لگا سکتے ہیں؟

(مقنّنہ، منتظمہ اور عدلیہ) کے درمیان تقسیم اختیارات کی وجہ سے امریکی انتظامیہ کی فوج کی بے بندش اور غیر معتدل استعمال پر پابندی لگتی ہے۔

امریکی طاقت پر دوسری بندش داخلی نوعیت کی ہے اور امریکی معاشرہ کی بے تعصبی اور وسیع النظری سے جنم لیتی ہے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ امریکہ کا عوامی میڈیا وقتاً فوقتاً کسی مسئلے پر کوئی خاص نقطۂ نظر حاوی کرنے یا متعارف کرنے کی کوشش کرتا رہتا ہے لیکن حقیقت یہ ہے کہ امریکہ کے سیاسی ماحول میں حکومت کے مقاصد اور طریقۂ کار کے بارے میں عوام کے درمیان بہت گہرے شکوک و شبہات جگہ بنائے ہوئے ہیں۔ ایک طویل مدت کے بعد یہ عنصر ریاست ہائے متحدہ امریکہ کی باہری فوجی کارروائیوں میں ملوث ہونے پر ایک زبردست بندش کا کام کرتا ہے۔

لیکن دراصل تیسرا دباؤ امریکن طاقت پر سب سے بڑی بندش ہے۔ بین الاقوامی سطح پر آج صرف ایک تنظیم ایسی ہے جو ریاست ہائے متحدہ کی طاقت کے استعمال کو اعتدال کے اندر لاسکتی ہے اور وہ ہے North Atlantic Treaty Organisation (NATO)۔ ظاہر ہے کہ ریاست ہائے متحدہ امریکہ کے ان جمہوری طاقتوں سے جو آزادانہ تجارت جاری رکھنا چاہتے ہیں، اتحاد و اتفاق سے بہت مفادات وابستہ ہیں اور اسی لیے یہ ممکن ہے کہ NATO کے حلیف ریاست ہائے متحدہ امریکہ کی بالادستی کے عمل کو اعتدال میں لائیں گے۔

ہندوستان اور ریاست ہائے متحدہ کے تعلقات

سرد جنگ کے دوران ہندوستان ریاست ہائے متحدہ امریکہ کے مقابل دوسری جانب کھڑا ہوا تھا۔ اس زمانے میں ہندوستان کا سب سے قریبی دوست سوویت یونین تھا۔ سوویت یونین کے زوال کے بعد یکا یک ہندوستان نے خود کو ایک مخالف بین الاقوامی ماحول میں تنہا پایا۔ بہرحال یہی وہ وقت تھا جب ہندوستان نے اپنی معیشت کو آزاد بنانے اور عالمی معیشت سے جوڑنے کا فیصلہ کیا۔ ہندوستان کی یہ پالیسی موجودہ برسوں میں اور اس کی حیرت انگیز طور پر بڑھتی ہو معاشی ترقی نے کئی ملکوں کو، جس میں ریاست ہائے متحدہ امریکہ بھی شامل ہے، ہندوستان جیسا ایک فائدے مند کاروباری ساتھی ملا۔

یہ بھی اہم ہے کہ ہم ان دو عناصر کو جو پچھلے چند سالوں سے ظہور میں آئے ہیں ہندوستان اور ریاست ہائے متحدہ امریکہ کے تعلقات کی بحث میں نظر انداز نہ کریں۔ ان عناصر کا تعلق ٹیکنالوجی اور ہندوستانی نژاد غیر مقیم امریکی یا پردیسی ہندوستانی تھے۔ درحقیقت یہ دونوں عناصر ایک دوسرے سے مربوط ہیں۔ مندرجہ ذیل نکتوں پر غور کیجیے۔

- ہندوستان سوفٹ ویر (soft wear) کی کل پیداوار کا 65 فیصد حصہ ریاست ہائے متحدہ امریکہ سے درآمد کرتا ہے۔
- بوئنگ کمپنی کا 35 فیصد تکنیکی عملہ ہندوستانی نژاد ہے۔
- سلیکن وادی Silicon Valley میں تین لاکھ ہندوستانی کام کرتے ہیں۔
- اعلیٰ ٹکنالوجی کا 15 فیصد ہندوستانی Startup کے ہاتھوں میں ہے۔

دوسرے ممالک کی طرح ہندوستان کو بھی یہ فیصلہ کرنا ہے کہ اس عالم گیر بالادستی کے دور میں اس کو ریاست ہائے متحدہ امریکہ سے کس قسم کے تعلقات رکھنے ہیں۔ انتخاب اتنا آسان بھی نہیں ہے۔ ریاست ہائے

جیسے ہی میں یہ کہتا ہوں کہ میں ہندوستان سے ہوں، وہ مجھ سے پوچھتے ہیں کہ کیا میں ایک کمپیوٹر انجینئر ہوں۔ یہ اچھا لگتا ہے۔

آیئے اسے کریں

ہندوستان اور امریکہ کے درمیان گزشتہ دنوں ہوئے سول نیوکلیر معاہدہ سے متعلق مضامین اور خبروں کے تراشے جمع کرو۔ اس معاہدہ کے مخالفین اور موافقین کے نقطۂ نظر کا خلاصہ کرکے لکھو۔

© NCERT not to be republished

ہندوستان-امریکہ تعلقات پر لوک سبھا میں بحث

نیچے، ہندوستان اور ریاست ہائے متحدہ کے درمیان نیوکلیائی توانائی کے معاہدے پر لوک سبھا میں بحث کے دوران وزیر اعظم اور دو اپوزیشن رہنماؤں نے جو تقریریں کیں ان سے اقتباسات درج ہے۔ کیا یہ تینوں اقتباسات ان تینوں طرزِ فکر سے مطابقت رکھتے ہیں جو اس باب میں بیان کی گئی ہیں۔

ڈاکٹر منموہن سنگھ، کانگریس

''محترم، میں بہت ادب کے ساتھ اس جلیل القدر ایوان سے گزارش کروں گا کہ وہ ہندوستان کی جانب دنیا کے بدلتے ہوئے مزاج کو تسلیم کریں۔ اس کہنے کا یہ مقصد نہیں ہے کہ طاقت کی سیاست اب قصۂ پارینہ بن چکی۔ یا اب کوئی ہمارے ساتھ زیادتی نہیں کرے گا۔ ہم تمام موجود خطروں سے اپنا تحفظ کریں گے۔ لیکن یہ بہت بڑی غلطی ہوگی اگر ہم افق پر طلوع ہوئے مواقع کا فائدہ نہ اٹھا سکیں۔ میں پوری نیک نیتی سے یہ یقین رکھتا ہوں کہ یہ ہمارے ملک کے حق میں ہے کہ بڑی طاقتوں سے اس کے تعلقات استوار ہوں۔ مجھے یہ کہنے میں کوئی عار نہیں کہ ہم یونائیٹڈ اسٹیٹس سے بہتر تعلقات چاہتے ہیں۔ یونائیٹڈ اسٹیٹس ایک ممتاز عظیم قوت ہے۔''

شری باسودیب اچاریہ، سی پی آئی (ایم)

''آزادی سے لے کر ہم ایک آزاد خارجہ پالیسی پر عمل کرتے رہے کیونکہ یہ ہمارے قومی مفاد میں تھا۔ لیکن ہم نے ایران اور عراق کے سلسلے میں کیا دیکھا؟ ہم نے دیکھا کہ جولائی کے بیان کے بعد، اور جس وقت بین الاقوامی جوہری توانائی ایجنسی میں ووٹنگ ہو رہی تھی، ہم ریاست ہائے متحدہ کے دوش بدوش کھڑے تھے۔ ہم نے ریاست ہائے متحدہ اور P5 کی پیش کردہ قراردادوں کی حمایت کی۔ اور یہ اس سے پہلے متوقع نہیں تھا۔ جب ہم ایران سے، براہ پاکستان، گیس لانے کی کوشش کر رہے تھے جس کی ہمیں ضرورت تھی تو ہم نے ایران سے متعلق امریکہ کے موقف کی حمایت کی۔ وہاں پر ہماری آزادانہ خارجہ پالیسی متاثر ہوئی ہے۔''

میجر جنرل (سبکدوش) بی۔سی۔ کھنڈوری، بی جے پی

''خواہ ہم چاہیں یا نہ چاہیں، ہمیں یہ تسلیم کرنا ہوگا کہ آج کی ایک قطبی دنیا میں صرف یونائیٹڈ اسٹیٹس ہی ایک عظیم طاقت ہے۔ لیکن ساتھ میں ہمیں یہ بھی یاد رکھنا چاہیے کہ خود ہندوستان ایک عالمی طاقت بلکہ عظیم طاقت کے روپ میں ابھر رہا ہے۔ لہٰذا ہم یہ محسوس کرتے ہیں کہ بین الاقوامی سطح پر یونائیٹڈ اسٹیٹس سے ہمارے تعلقات اچھے ہونے چاہئیں، لیکن یہ ہماری سالمیت اور تحفظ کی قیمت پر نہ ہو۔''

متحدہ امریکہ کے متعلق حکمت عملی اختیار کرنے کے بارے میں تین امکانات کے اردگرد بحث ہو رہی ہے۔

- وہ ہندوستانی تجزیہ نگار جو بین الاقوامی سیاست کو فوجی طاقت کی عینک لگا کر دیکھتے ہیں، ہندوستان اور ریاست ہائے متحدہ امریکہ کے بڑھتے ہوئے تعلقات سے خوف زدہ ہیں۔ ان کے خیال میں ہندوستان کو واشنگٹن سے اپنی دوری برقرار رکھنی چاہیے اور خود اپنی مکمل قومی طاقت کی ترقی پر نظر رکھنی چاہیے۔
- دوسرے تجزیہ نگار ہندوستان اور ریاست ہائے متحدہ کے درمیان بڑھتے ہوئے آپسی مفادات کو ایک تاریخی موقعہ سمجھتے ہیں۔ وہ ایک ایسی حکمت عملی کی وکالت کرتے ہیں جو ہندوستان کو امریکہ کی بالادستی کو اپنے مفاد میں استعمال کرنے کا موقعہ فراہم کرے اور یہ متفقہ ذہنی میلان ہندوستان کے لیے بہتر راستہ (option) پیدا کرے۔ ان کے خیال میں امریکہ کی مخالفت طویل مدت میں ہندوستان کے مفادات کو مجروح کرے گی۔
- تجزیہ نگاروں کے ایک گروپ کا یہ ماننا ہے کہ ہندوستان کو ترقی پذیر ممالک کا ایک الگ اتحاد بنانا چاہیے۔ وقت کے ساتھ ساتھ یہ اشتراک زیادہ مضبوط ہو جائے گا اور ممکن ہے کہ موجودہ قیادت اس کے طور طریقے درست کرانے میں کامیاب ہو جائے۔

ہندوستان اور ریاست ہائے متحدہ کے تعلقات شاید اتنے پیچیدہ ہیں کہ ایک حکمت عملی ان کا احاطہ نہیں کر سکتی ہے۔ دراصل ہندوستان کو ریاست ہائے متحدہ امریکہ سے تعلقات نبھانے اور قائم رکھنے کے لیے اپنی خارجہ پالیسی میں کئی قسم کی حکمت عملی کا امتزاج ہے۔

© NCERT not to be republished

بالادستی (Hegemony) پر قابو کیسے پایا جاسکتا ہے؟

یہ بالادستی آخر کب تک جاری رہے گی؟ ہم اس بالادستی سے کب نجات پائیں گے؟ یہی ہمارے دور کے اہم سوال ہیں۔ تاریخ ہمیں اس کا جواب ڈھونڈنے کے کچھ دلفریب اشارے دیتی ہے۔ لیکن حال اور مستقبل میں کیا ہوگا؟ بین الاقوامی سیاست میں کسی بھی ملک کی فوجی مشقوں کو کم کرنے کے لیے رسمی طور سے بہت کم عناصر کام کرتے ہیں۔ ایک ملک کی حکومت کی طرح کوئی عالمی حکومت نہیں ہے۔ جیسا کہ ہم چھٹے باب میں دیکھیں گے، بین الاقوامی تنظیم بین الاقوامی حکومت نہیں ہیں۔ لہٰذا بین الاقوامی سیاست دراصل ''حکومت کے بغیر سیاست'' ہے۔ ہاں کچھ اصول اور معیار ضرور موجود ہیں وہ جنگ کو محدود تو کرتے ہیں لیکن جنگ سے منع نہیں کرتے۔ اور نہ ہی اس سے روکتے ہیں لیکن بہت کم ملک ایسے ہوں گے جو اپنا تحفظ صرف بین الاقوامی قانون کے حوالے کردیں۔ تو کیا اس کا مطلب یہ ہے کہ جنگ اور بالادستی سے چھٹکارا نہیں ہوسکتا؟

مختصراً ہمیں یہ تسلیم کرلینا چاہیے کہ کہیں بھی کوئی واحد طاقت ایسی نہیں ہے جو فوجی اعتبار سے ریاست ہائے متحدہ امریکہ کے قریب بھی آسکے۔ چین، ہندوستان اور روس وہ ممالک ہیں جو مجموعی طور سے ریاست ہائے متحدہ امریکہ کی بالادستی کو چیلنج کرنے کی صلاحیت رکھتے ہیں لیکن ان کے آپسی اختلافات ایسا نہیں کرنے دیں گے۔ لہٰذا ریاست ہائے متحدہ امریکہ کی بالادستی کے خلاف کوئی فوجی اتحاد بھی نہیں ہوسکتا۔

سام، تمہارے پندرہ منٹ تقریباً ختم ہوچکے ہیں
تمہارے خیال میں ریاست ہائے متحدہ امریکہ کتنی مدت تک عظیم طاقت بنی رہے گی،
اگر آپ کو ایسی تصویر بنانی ہو تو آپ کس ملک کو انتظار کرتے ہوئے دکھائیں گے؟

کچھ لوگوں کی دلیل ہے کہ دانش مندی اسی حکمت عملی میں ہے کہ بالادستی کے اس نظام نے جو مواقع فراہم کیے ہیں ان کا فائدہ اٹھایا جائے۔ مثال کے طور پر ابھرتی ہوئی معیشت کے لیے زیادہ سے زیادہ تجارت، ٹیکنالوجی کا تبادلہ اور سرمایہ کاری کی ضرورت ہے اور جو بالادست کی مخالفت کے بجائے اس کے ساتھ کام کرنے میں حاصل ہوں گے۔ لہٰذا یہی بہتر ہوگا کہ قیادت کی مخالفت کرنے کے بجائے ان فوائد کو حاصل کیا جائے جو بالادستی نظام میں رہنے اور عمل کرنے سے ملیں گے۔ اس کو کارواں کی حکمت عملی کہتے ہیں (یا لگے کی پالیسی کہہ سکتے ہیں)

ایک اور حکمت عملی جس پر ریاستیں عمل کرسکتی ہیں 'چھپنے' یا آنکھ مچولی کی پالیسی ہے۔ اس سے مراد ہے کہ جہاں تک ممکن ہوسکے قائد طاقت سے زیادہ سے زیادہ بے تعلق رہا جائے۔ چین، روس اور یوروپی یونین کے ممالک اس طرز عمل کی بہترین مثال ہیں جو غیر ضروری

not to be republished © NCERT

طور سے منظرِ عام پر نہیں آتیں اور نہ ہی خواہ مخواہ ریاست ہائے متحدہ امریکہ کو مخالفت پر اکساتی ہیں۔ لیکن یہ طرزِ عمل دوسری صف کی بڑی طاقتوں کے لیے دیرپا نہیں ہوسکتا۔ چھوٹے ممالک کے لیے یہ ایک دیرپا اور پُرکشش پالیسی ہوسکتی ہے لیکن یہ تصور کرنا کہ چین، ہندوستان اور روس جیسی بڑی طاقتیں یا یورپین یونین جیسی مضبوط تنظیمیں ایک طویل مدت تک یہ آنکھ مچولی کا کھیل کھیل سکتے ہیں ممکن نہیں ہے۔

کچھ لوگوں کا خیال ہے کہ امریکی بالادستی کی مزاحمت دوسری ریاستیں نہیں کرسکتیں، جیسا کہ ہم دیکھ چکے ہیں کہ آج کے دور میں وہ مزاحمت کرنے سے قاصر ہیں، بلکہ یہ مزاحمت غیر ریاستی اداروں سے ابھرے گی۔ امریکی بالادستی کو اس مزاحمت کا سامنا معاشی اور تہذیبی محاذوں پر کرنا ہوگا۔ اور یہ مزاحمت غیر حکومتی تنظیموں (NGOs)، سماجی تحریکوں اور رائے عامہ کے ذریعے ہوگی۔ اور اس میں میڈیا کے حصے اور دانشور، فن کار اور ادیب شریک ہوں گے۔ اس عمل میں شامل یہ کردار قومی سرحدوں سے دور ایک دوسرے سے رابطہ قائم کرسکتے ہیں تاکہ امریکی پالیسیوں کو تنقید کا نشانہ بنایا جائے اور ان کی مزاحمت کی جائے۔ اس عمل میں خود امریکیوں کو بھی شامل کیا جاسکتا ہے۔

آپ نے شاید سنا ہوگا کہ اب ہم ایک 'عالمی گاؤں' میں رہتے ہیں۔ اور اس عالمی گاؤں میں ہم سب گاؤں کے چودھری کے پڑوسی ہیں۔ اگر چودھری کا برتاؤ برداشت کی حد سے باہر نکل جائے تو ہم گاؤں چھوڑ کر تو نہیں جائیں گے کیونکہ ہماری دنیا تو یہی گاؤں ہے۔ تو صرف مزاحمت کا راستہ ہی باقی رہتا ہے۔

مجھے تو یہ سب کچھ جلن اور حسد کا نتیجہ لگتا ہے۔ آخر ریاست ہائے متحدہ کی بالادستی میں کیا پریشانی ہے؟ صرف اس لیے کہ ہم وہاں پیدا نہیں ہوئے؟ یا کوئی اور بات ہے؟

آیئے، مل جُل کر کریں

اقدام

- طلبا کو دنیا کے سیاسی، جغرافیائی علاقوں میں ریاست ہائے متحدہ کے فائدے کے نقطۂ نظر سے تقسیم کریں۔ (وسطی امریکہ، جنوبی امریکہ، افریقہ، یوروپ، سابقہ سوویت یونین، جنوبی ایشیا، مشرقی ایشیا اور آسٹریلیا) بعد میں آپ طلبا کو سرد جنگ کے بعد والے دور کے متنازعہ علاقوں میں، جس میں ریاست ہائے متحدہ ملوث تھا، تقسیم کرسکتے ہیں (جیسے افغانستان، عراق، اسرائیل، فلسطین یا کوسوو یا کوئی اور موجودہ متنازعہ جو یہ مضمون پڑھاتے وقت چل رہا ہو)
- طلبا کو اوپر دیے ہوئے علاقوں کے نمبر کے اعتبار سے پھر سے برابر تعداد کے گروپ میں تقسیم کریں۔ ہر گروپ کو ان واقعات کا ایک ریکارڈ بنانا ہے جو ریاست ہائے متحدہ امریکہ کے اس علاقے میں عمل دخل سے واقع ہوئے۔ یہ فائل اس علاقے میں ریاست ہائے متحدہ امریکہ کے فائدے کو مدنظر رکھے۔ اس کی کارروائیاں اور وہاں کے عوام کی اس کے متعلق رائے کو بھی ریکارڈ کرے۔ طلبا کو اجازت ہے کہ وہ کسی بھی ذریعہ سے حاصل کی ہوئی تصویریں اور کارٹون کو حاصل کر کے پیش کرسکتے ہیں۔
- ہر گروپ اپنی واقعات کی فائل کلاس کے سامنے پیش کرے گا۔

استاد کے لیے تجاویز:

- طلبا کی تیار کردہ فائل کی معلومات کو پس منظر بنا کر، استاد ایک بار پھر سے ان علاقوں میں ریاست ہائے متحدہ امریکہ کی مداخلت پر تبصرہ کریں کہ آیا یہ مداخلت اقوام متحدہ کے اصولوں کے مطابق تھی یا نہیں۔
- طلبا کو علاقے کے مستقبل یا بیس سال پہلے کے تنازعہ پر غور کرنے کی دعوت دیجیے آخر ریاست ہائے متحدہ امریکہ کی بالادستی کب تک قائم رہے گی؟ اس علاقے میں دوسری اور کون سی طاقت ہے جو اس کی قیادت کو چیلنج کرنے کی صلاحیت رکھتی ہے؟

© NCERT not to be republished

بالادستی کے متعلق تاریخ ہمیں کیا سکھاتی ہے؟

توازنِ طاقت کے نظریہ کو سامنے رکھتے ہوئے، بالادستی (hegemony) بین الاقوامی معاملات میں ایک غیر معمولی صورتِ حال ہے۔ اور اس کا سبب سیدھا سادا ہے۔ کسی عالمی حکومت کی عدم موجودگی میں، ہر ریاست اپنے تحفظ، بلکہ خراب حالات میں اپنی بقا کے لیے خود ذمہ دار ہے۔ لہٰذا تمام ریاستیں بین الاقوامی سیاسی نظام میں طاقت کی تقسیم سے واقف ہیں، اور عام طور پر وہ کسی واحد ریاست کو اتنا طاقت ور بننے کی اجازت نہیں دیں گی کہ وہ دوسری ریاستوں کے وجود کے لیے ایک خطرہ بن جائے۔

بین الاقوامی سیاست میں توازنِ طاقت کا نظریہ، جو اوپر بیان کیا گیا ہے، تاریخ سے بھی ثابت ہوتا ہے۔ 1648 وہ سال ہے جب ایک مقتدر اور مخصوص و متعین حدود رکھنے والی ریاست عالمی سیاست میں ایک اہم کردار کی حیثیت سے ظاہر ہوئی۔ اس کے ساڑھے تین سو سال کے بعد تک صرف دو مثالیں ایسی ملتی ہیں جب کوئی ایک ریاست ایسا غلبہ حاصل کرے، جو آج کی دنیا میں امریکہ کا ہے۔ پہلی مثال یوروپی براعظم کی سیاست کے پس منظر میں 1660 سے لے کر 1713 تک کے فرانس کی ہے۔ اور بالادستی کی دوسری مثال برطانیہ ہے جو 1860 سے 1910 تک دنیا پر بحری حکمرانی کرتا تھا۔
تاریخ ہمیں یہ بھی بتاتی ہے کہ بالادستی اپنے نقطۂ عروج پر بہت مضبوط اور ناقابلِ شکست دکھائی دیتی ہے لیکن یہ ہمیشہ باقی نہیں رہتی۔ اس کے برعکس توازنِ طاقت کی پالیسی وقتاً فوقتاً قائد یا سردار کی طاقت کم کرتی رہتی ہے۔ 1660 میں شہنشاہ لوئی چہاردہم کے زمانے میں فرانس کو کوئی چیلنج نہیں کرسکتا تھا۔ لیکن 1713 میں برطانیہ، ہیبس برگ آسٹریا اور روس فرانس کی طاقت کو چیلنج کر رہے تھے۔ 1860 میں، جو کہ وکٹورین عہد کا نقطۂ عروج ہے، پُرامن برطانیہ ہمیشہ کے لیے محفوظ نظر آتا تھا۔ 1910 میں یہ واضح ہو گیا تھا کہ جرمنی، جاپان اور امریکہ، برطانوی طاقت کے دعوے دار بن کر ابھر رہے ہیں۔ تو یہ ممکن ہے آج سے بیس سال بعد کوئی اور عظیم طاقت، یا عظیم طاقتوں کا ایک اتحاد وجود میں آئے اور اسی وقت امریکہ کی صلاحیتوں اور اہلیت کو زنگ لگ رہا ہو۔

(کرسٹوفر لیون کے ایک مضمون پر مبنی: ''ایک قطبیت کا فریب نظر: نئی عظیم طاقتیں کیوں ابھریں گی)

© NCERT not to be republished

مشقیں

1۔ مندرجہ ذیل میں سے کون سا بیان بالادستی کے بارے میں غلط ہے؟
(a) اس لفظ سے مراد ایک ریاست کا تسلط اور غلبہ ہے۔
(b) یہ قدیم یونان میں Athens کے غلبہ کے لیے استعمال کیا گیا تھا۔
(c) وہ ریاست جو بالادستی کر رہی ہے بے پناہ فوجی قوت کی مالک ہو گی۔
(d) بالادست کی جگہ متعین اور جامد ہے۔ ایک بار ہونے کا مطلب ہمیشہ کے لیے قائد ہونا ہے۔

2۔ موجودہ عالمی نظام کے بارے میں نیچے دیے ہوئے جملوں میں کون سا غلط ہے؟
(a) عالمی حکومت کی عدم موجودگی کسی ریاست کے طرزِ عمل کو منضبط بنا سکتی ہے۔
(b) عالمی معاملات میں ریاست ہائے متحدہ امریکہ کا کردار سب سے زیادہ نمایاں ہے۔

(c) ریاستیں ایک دوسرے کے خلاف طاقت کا استعمال کر رہی ہیں۔

(d) وہ ریاستیں جو بین الاقوامی قانون کی خلاف ورزی کرتی ہیں، اقوام متحدہ ان کو سخت سزا دیتی ہے۔

3۔ عراق کو آزاد کرانے کی مہم (Operation Iraqi Freedom) کے متعلق کون سا بیان غلط ہے؟

(a) ریاست ہائے متحدہ امریکہ کی زیر قیادت چالیس سے زیادہ ملکوں نے عراق پر حملے کے لیے ہم خیال ملکوں کا ایک اتحاد بنایا۔

(b) عراق پر حملے کا سبب یہ بتایا گیا تھا کہ اس کو عظیم تباہی کے ہتھیار (WMD) بنانے سے روکا جا سکے۔

(c) یہ اقدام اقوام متحدہ کی منظوری کے بعد کیا گیا۔

(d) ریاست ہائے متحدہ امریکہ کے فوجی اتحاد کو عراقی افواج سے زیادہ مزاحمت کا سامنا نہیں کرنا پڑا۔

4۔ اس باب میں جن تین قسم کی بالادستی کا ذکر کیا گیا ہے ان میں سے ہر ایک کی ایک ایک مثال دیں۔ کتاب میں دی ہوئی مثالوں کو دوبارہ نہ پیش کیجیے۔

5۔ وہ کون سے تین پہلو ہیں جن میں ریاست ہائے متحدہ امریکہ کا طرز عمل سرد جنگ میں ایک عظیم طاقت کی حیثیت سے اور اس کے بعد دنیا میں اس کے غلبہ سے مختلف ہے

6۔ مندرجہ ذیل کی جوڑی بنائیے

(i) لامحدود تحقیق کی مہم (Operation Infinite Research)

(ii) پائدار آزادی کی مہم (Operation Enduring Freedom)

(iii) مہم طوفان ریگستان (Operation Desert Storm)

(iv) عراق کی آزادی کی مہم (Operation Iraq Freedom)

(a) القاعدہ اور طالبان کے خلاف جنگ

(b) ہم خیالوں کا اتحاد

(c) سوڈان پر میزائل کا حملہ

(d) پہلی خلیجی جنگ

7۔ آج کل امریکی بالادستی پر کون سے دباؤ ہیں؟ آپ کے خیال میں ان میں سے کون مستقبل میں زیادہ اہم ہوگا؟

8۔ اس باب میں ہندوستان۔امریکہ کے مابین ایک معاہدہ پر لوک سبھا میں ہوئی بحث کے تینوں اقتباسات کو پڑھیے اور ان میں سے کسی ایک نقطۂ نظر کو ہند۔امریکی تعلقات کی مخصوص صورتِ حال کا دفاع کرتے ہوئے مضمون کی شکل میں پیش کیجیے۔

9۔ ''اگر بڑی اور باوسائل ریاستیں ریاست ہائے متحدہ امریکہ کی بالادستی کی مزاحمت نہیں کر سکتیں تو چھوٹے اور کمزور غیر ریاستی اداروں سے بھی یہ توقع فضول ہے''۔ اس قول کا تجزیہ کیجیے اور اپنی رائے پیش کیجیے۔

مشقیں

© NCERT not to be republished